OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

استصناع کا مالیاتی اداروں میں بطور طریقہ تمویل استعمال: ایک تحقیقی مطالعہ

The Use of *Istisna* as a Financing Method in Financial Institutions: A Research Study

Dr. Habib-u-Rehman
Assistant Professor, Department of Islamiyat, Federal Urdu University, Islamabad.
Email: dr.habiburrehman@fuuast.edu.pk

Dr. Muhammad Irfan
Assistant Professor, Department of Islamiyat, Federal Urdu University, Islamabad.
Email: dr.muhammadirfan@fuuast.edu.pk

Received on: 02-10-2024 Accepted on: 03-11-2024

Abstract

Islamic Sharia has allowed various forms of trade (buyu) to effectively manage economic transactions, and these forms of trade, under their respective conditions, are lawful within the framework of Sharia. One such form of trade is Istisna (a contract for manufacturing or construction). Its use in both individual and collective financial systems has become quite common in contemporary times. Under Istisna, several concessions have been granted that are not present in other types of trade. Therefore, financial institutions are utilizing these concessions to carry out many business activities under this form of contract. In this research paper, using classical sources, the concept of Istisna, its legitimacy, its permissibility and situations where it becomes invalid, and its application in the modern financial system are discussed in the light of Shariah evidence. The paper examines whether Istisna, with its specific conditions, is feasible in the context of the modern financial economy or not. The conclusion drawn from this discussion is that the concessions available under Istisna should be utilized by all financial institutions while staying within Shariah boundaries, so that the Muslim economic system can be based on sound principles.

Keywords: Islamic Sharia, Istisna, Muslim Economic, Trade.

دنیا میں رہنے والوں انسانوں کی اپنے گرد و پیش کے حالات، آب و ہوا کے لحاظ سے ضروریات مختلف نوعیت کی ہوا کرتی ہیں اور ہر انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی اس روزمرہ کی ضروریات کو کم از کم وسائل کے ساتھ مکمل کر سکے۔ اس لیے کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر مارکیٹ میں چیز موجود ہو اور انسان کے وسائل اجازت نہ دیتے ہوں تو پھر بھی وہ چیز استعمال کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔ ایسی ہی صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان کو استصناع کا سہارا لینا پڑتا ہے ۔ دور حاضر میں گلوبلائزیشن کی وجہ سے ہم میں سے تقریباً ہر انسان کا کسی نہ کسی صورت میں استصناع کے ساتھ پالا پڑتا رہتا ہے۔ یہ استصناع لوکل اور انٹرنیشنل دونوں طرح کی مارکیٹ کے لیے کثیر الاستعمال ہے۔ عقد کی حیثیت سے مارکیٹ میں رواج پا رہا ہے۔ لہذا استصناع کا تعارف اور مالیاتی اداروں میں بطریق تمویل استعمال موجودہ دور کی ایک انتہائی اہم ضروریات میں

سے ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی استصناع کی لغوی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هو لغة طلب الصنع اى ان يطلب من الصانع العمل.[1]

لغت میں استصناع کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو بنانے کا مطالبہ کرنا یعنی کاریگر سے کسی کام کا مطالبہ کرنا۔

علامہ ابن نجیم استصناع کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واما الاستصناع فالكلام فيه في مواضع الاول في معناه لغة فهو طلب الصنعة-2

استصناع کے بارے میں کئی اعتبار سے بات ہو گی، سب سے پہلے لغوی معنی تو وہ ہے صنعت کا مطالبہ۔

استصناع کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے علامہ سمرقندی فرماتے ہیں:

استصناع هو عقد على مبيع في الذمة وشرط عمل علي الصانع-3

استصناع ایسے عقد کو کہتے ہیں جس میں مبیع ذمہ میں واجب ہوتی ہے اور کاریگر پر اس کے بنانے کی شرط لگائی جاتی ہے۔

علامہ شامی استصناع کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انه بيع عين موصوفة في الذم لا بيع عمل - 4

استصناع ذمہ میں واجب ایسی عین کی بیع ہے جس کے اوصاف بیان کیے گئے ہوں، نہ کہ عمل کی۔

اگر شریعت اسلامی کے احکامات کو بغور دیکھا جائے تو معاشی معاملات میں یہ شریعت کا اختصاص رہا ہے کہ انسانوں کو ان کی وسعت کے بقدر مکلف بنایا جائے اور جس حد تک شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے آسانی فراہم کی جاسکتی ہے وہ آسانی انہیں فراہم کی جائے لہذا اسی بات کے پیش نظر کچھ ایسے معاملات کو بھی جائز کیا گیا جن کے جواز کی عام شرائط موجود نہیں تھیں۔ تاکہ انسانوں کو اپنی روزمرہ زندگی، معاشی معاملات اور لین دین کے معاملات میں حرج اور تکلیف سے بچایا جائے۔ حالانکہ اگر اصولوں کو دیکھا جائے تو اسی بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ یہ معاملات باطل ہوتے ہیں۔ استصناع بھی اسی طرح کے عقود میں سے ہے۔ چونکہ عقد استصناع میں معدوم کی بیع کا معاملہ ہوتا ہے اور عمومی اصولوں کے مطابق معدوم کی بیع باطل ہے۔ لیکن فقہاء کرام نے غور و خوض کے بعد اس بات کا ادراک کیا ہے کہ اس استصناع کے تحت کیے جانے والے معاملے کا چونکہ مستقبل میں وجود یقینی ہوتا ہے لہذا احناف کے نزدیک اس کے جواز کی اجازت دی گئی ہے۔ فقہائے احناف اپنے اس مسلک کے تائید میں بخاری کی مشہور حدیث پیش کرتے ہیں۔ حضرت سہلؓ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَ إِلَى امْرَأَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، وَكَانَ لَهَا غُلَامٌ نَجَّارٌ، قَالَ لَهَا: مُرِي عَبْدَكِ فَلْيَعْمَلْ لَنَا أَعْوَادَ الْمِنْبَرِ، فَأَمَرَتْ عَبْدَهَا، فَذَهَبَ فَقَطَعَ مِنَ الطَّرْفَاءِ فَصَنَعَ لَهُ مِنْبَرًا، فَلَمَّا قَضَاهُ أَرْسَلَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ قَدْ قَضَاهُ، قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْسِلِي بِهِ إِلَيَّ، فَجَاءُوا بِهِ، فَاحْتَمَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَضَعَهُ حَيْثُ تَرَوْنَ ـ[5]

نبی کریم ﷺ نے ایک مہاجرہ عورت کے پاس اپنا آدمی بھیجا۔ ان کا ایک غلام بڑھئی تھا۔ ان سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے غلام سے ہمارے لیے لکڑیوں کا ایک منبر بنانے کے لیے کہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے غلام سے کہا۔ وہ غابہ سے جا کر جھاؤ کاٹ لایا اور اسی کا ایک منبر بنا دیا۔ جب وہ منبر بنا چکے تو اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ منبر بن کر تیار ہے۔ آپ ﷺ نے کہلوایا کہ اسے میرے پاس بھجوادیں۔ جب لوگ اسے لائے تو آپ ﷺ نے خود اسے اٹھایا اور جہاں تم اب دیکھ رہے ہو۔ وہیں آپ ﷺ نے اسے رکھا۔ اسی طرح شمائل ترمذی کی اس حدیث کو بھی بطورِ استدلال پیش کرتے ہیں جسے حدیث خاتم کہا جاتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمَّا أَرَادَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ قِيلَ لَهُ: " إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا، قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي كَفِّهِ۔[6]

نبی اکرم ﷺ نے جب عجمی بادشاہوں کو خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کو بتایا گیا کہ عجمی بغیر مہر لگا ہوا خط قبول نہیں کرتے چنانچہ آپ نے مہر کے لیے ایک انگوٹھی بنوائی، تو ان میں آپ کی ہتھیلی میں اس کی چمک کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔

علامہ سرخسی ان احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب یہ بات نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو چکی کہ اللہ کے نبی ﷺ نے منبر اور انگوٹھی میں استصناع کا معاملہ کیا تو ان دلائل کی موجودگی میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں "اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انگوٹھی اور منبر میں استصناع کا معاملہ کیا۔" اور جب یہ ثابت ہو چکا تو اس کے مقابلے میں ہر قسم کے قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا۔[7] اسی طرح علامہ سرخسی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی آدمی کو جوتے، ٹوپی یا کسی برتن کے استصناع کا کہے تو قیاساً یہی بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ یہ عقد جائز نہ ہو کیونکہ جس چیز کو بنوانے کا کہا جا رہا ہے وہ مبیع ہے اور معدوم بھی ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے صراحتاً منع فرمایا ہے کہ انسان کسی ایسی چیز کو فروخت کرے جو اس کے پاس موجود نہ ہو۔ لیکن ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہم یہاں لوگوں کے تعامل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑا ہے ایک ایسا تعامل جو بغیر کسی نکیر کے نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر تاحال جاری ہے۔ جیسے حمام میں داخل ہو کر نہانے کی اجرت حالانکہ پانی کی مقدار مجہول ہے۔ اسی طرح ایک فلس کے بدلے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے کی اجرت حالانکہ پانی مقدار مجہول ہے۔ یہ سب لوگوں کے عام تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔[8] صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ "اگرچہ استصناع معدوم کی بیع ہے تو اس کا ناجائز ہونا زیادہ راجح ہے لیکن ہم اسے ایسے تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے کسی انکار کے بغیر عملی اجماع سے ثابت ہے۔[9] اس طرح کا تعامل ایک ایسا اصول ہے جس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ قول ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أُمَّتِي لَنْ تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ۔[10]

میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہ ہو گی، لہٰذا جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم یعنی بڑی جماعت کو لازم پکڑو۔

بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"کپڑوں میں استصناع جائز نہیں ہے کیونکہ قیاس بھی اس کے خلاف ہے اور استصناع کا جواز تو لوگوں کے عام تعامل کی وجہ سے استحساناً ہے اور کپڑوں میں ایسا کوئی تعامل نہیں ہے۔"[11]

جواز کی بحث کے بعد فقہاء کرام نے عقد استصناع کے ارکان کی تعیین بھی کی ہے۔ چونکہ استصناع بھی احناف کے نزدیک بیع ہی کی ایک قسم ہے۔[12] اسی لیے استصناع کے اراکین وہی ہیں جو عام بیوع کے ہیں۔ یعنی ہر وہ کلام جو صانع اور مستصنع کی رضامندی پر دلالت کرتے۔ چنانچہ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہے:

"استصناع کے ارکان میں سے ہے عاقدین، محل اور صیغہ۔ صیغہ ایجاب و قبول تو اس سے مراد ہر وہ چیز جو جانبین کی رضامندی پر دلالت کرے مثلاً کوئی یہ کہے میرے لیے فلاں چیز بناؤ۔"[13]

عمومی طور پر فقہاء نے استصناع کے چھ ارکان ذکر کیے ہیں۔ ا۔ صانع (بنانے والا کاریگر)۔ ۲۔ مستصنع۔ ۳۔ محل (جو چیز بنوائی جا رہی ہے)۔ ۴۔ ثمن۔ ۵۔ ایجاب۔ ۶۔ قبول۔

فقہائے کرام نے استصناع کی شرائط کو بھی بالتفصیل بیان کیا ہے۔ لیکن شرائط کو ذکر کرنے سے پہلے اس بات کو سمجھ لینا اشد ضروری ہے کہ چونکہ استصناع بیع کی ایک خاص قسم ہے لہذا اس میں بعض شرائط تو وہی ہیں جو کہ عام بیوع کی ہیں اور عام بیع کی بعض شرائط ایسی ہیں جن کا استصناع میں موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیسے مبیع کا مملوک اور موجود ہونا۔ اسی طریقے بعض صرف استصناع کے ساتھ خاص ہیں جو کہ عام بیع کے لیے ضروری نہیں ہیں۔

ا۔ بنائی ہوئی چیز کی جنس، نوع اور مقدار صفات کے اعتبار سے واضح ہے تاکہ نزاع اور جدل کا سبب نہ بن سکے۔[14]

۲۔ جن چیزوں میں استصناع کا عمومی تعامل پایا جاتا ہے صرف انہی چیزوں میں استصناع جائز ہے۔

۳۔ صانع کے لیے ضروری ہے کہ خام مال اپنی طرف سے لگائے۔ اگر خام مال مستصنع کی طرف سے ہو گا تو اجارہ بن جائے گا۔

۴۔ استصناع صرف ان چیزوں میں درست ہو گا جن میں صناعت پائی جائے۔(Manufacturing)[15]

آئمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ بھی استصناع کے جواز کے قائل ہیں اور ان کا مسلک بھی احناف کے مسلک سے ملتا جلتا ہے۔[16] البتہ امام شافعی اور امام مالک کا استصناع سے متعلق ایک ہی موقف ہے کہ استصناع کوئی مستقل عقد نہیں ہے بلکہ یہ سلم میں داخل ہے اور اس پر سلم کی تمام شرائط بھی لاگوں ہوں گی۔ چنانچہ امام الحطاب الرعینی المالکی فرماتے ہیں:

قَالَ فِي الْمُدَوَّنَةِ: مَنْ اسْتَصْنَعَ طَسْتًا أَوْ قَلَنْسُوَةً أَوْ خُفًّا أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ مِمَّا يُعْمَلُ فِي الْأَسْوَاقِ بِصِفَةٍ مَعْلُومَةٍ فَإِنْ كَانَ مَضْمُونًا إلَى مِثْلِ أَجَلِ السَّلَمِ وَلَمْ يَشْتَرِطْ عَمَلَ رَجُلٍ بِعَيْنِهِ وَلَا شَيْئًا بِعَيْنِهِ يَعْمَلُهُ مِنْهُ جَازَ ذَلِكَ إذَا قَدَّمَ رَأْسَ الْمَالِ مَكَانَهُ أَوْ إلَى يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ فَإِنْ ضَرَبَ لِرَأْسِ الْمَالِ أَجَلًا بَعِيدًا لَمْ يَجُزْ وَصَارَ دَيْنًا بِدَيْنٍ[17]

مدونہ میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی طشتری، ٹوپی، موزہ یا ان کے علاوہ کوئی ایسی چیز جو بازار میں بنوائی جاتی ہو، معلوم صفات کے ساتھ بنوا ۱۴ ے۔ اگر سلم کے مطابق مدت طے کی گئی ہو اور کسی خاص شخص کے کام کی شرط نہ لگائی گئی ہو اور نہ ہی کوئی خام مال معین کیا گیا ہو، جس سے ہو چیز بنائے گا، تو یہ جائز ہو گا اگر رأس المال فوراً دے یا ایک یا دو دن میں دے دے اور اگر اس نے ثمن کی ادائیگی کے لیے لمبی مدت طے کر لی تو یہ دین بالدین بن جائے گا اور جائز نہیں ہو گا۔

مشہور شافعی عالم کمال الدین المتوفی ۸۰۸ھ اپنی کتاب میں امام شافعی کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أما استصناع النعال. فلا يجوز إلا كما نص عليه الشافعي رضي الله عنه في (الأم)، وهو: أن يشتري النعلين والشراك وجميع ما يعمل نعلًا ثم يستأجر على الحذو، وكذلك حكم استصناع الأواني.[18]

یعنی چپل کا استصناع جائز نہیں ہے سوائے اس طریقہ کار کے جو امام شافعی نے اپنی مشہور کتاب "الام" میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ تمام اشیاء جن کی جوتے بنانے میں ضرورت پڑ سکتی ہے وہ صانع خود خریدے گا اور اجرت پر بنوائے گا اور یہی حکم بعینہ برتن کے معاملے میں بھی ہے۔

لہذا اس تمام بحث سے یہ بات بعینہ واضح ہو گئی کہ شوافع کے نزدیک اگر سلم سے ممکن ہو تو سلم سے ہی کام چلایا جائے گا اور اگر سلم سے ممکن نہ ہو تو پھر اس صورت میں بنوانے والا خام مال اپنی طرف سے خریدے گا اور بنوانے والے کے حوالے کرے گا اور اس کے ساتھ عقد اجارہ کی طرز پر معاملہ طے گا۔ جیسا کہ ما قبل بحث میں ذکر ہو چکا ہے کہ سلم اور استصناع میں قریبی مشابہت ہے لہذا فقہاء کی ایک بڑی تعداد استصناع کو سلم ہی شمار کرتی ہے۔ لہذا احناف کے مذہب کے مطابق سلم اور استصناع میں فرق کا بیان کیا جانا از حد ضروری ہے۔ لہذا امام احمد بن حنبل اور امام ابو حنیفہ کے درمیان سلم اور استصناع کے مابین جو فرق پائے جاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ استصناع کے جواز کے لیے صنعت کی شرط لگائی گئی ہے یعنی استصناع صرف ان چیزوں میں جائز ہے جہاں صنعت یعنی Manufacturing ہوتی ہے جبکہ سلم کے لیے یہ ضروری نہیں ہے۔

۲۔ سلم میں رأس المال معاملے کے وقت حوالے کرنا ضروری ہے۔ جبکہ استصناع میں یہ بھی جائز ہے کہ قیمت کی ادائیگی بعد میں کر دی جائے۔

۳۔ استصناع کام شروع ہونے سے پہلے لازم نہیں ہوتا چنانچہ کام شروع ہونے سے پہلے یکفرطہ طور پر ختم بھی کیا جا سکتا ہے جبکہ سلم کا معاملہ ایجاب و قبول کے بعد لازم ہو جاتا ہے اور اسے یکفرطہ طور پر ختم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔[19]

۴۔ سلم میں بیع کا عقد کرتے وقت مبیع کا مارکیٹ میں موجود ہونا ضروری ہوتا ہے جبکہ استصناع میں یہ شرط نہیں ہے۔

۵۔ استصناع میں مدت کی تعیین ضروری نہیں جبکہ سلم میں مدت کی تعیین ضروری ہے۔

چونکہ استصناع کے بارے میں ما قبل میں ہم یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ استصناع پر بھی وہی تمام شرائط لاگو ہوتی ہیں جو عام بیوع پر ہوتی ہیں۔ لہذا استصناع کی شرائط میں سے کسی شرط کے فاسد ہونے کی وجہ سے عقد استصناع بھی فاسد ہو جائے گا اور اس پر فاسد بیع کے احکامات جاری

ہوں گے اور بیع فاسد دیانۃً و قضاءً دونوں لحاظ سے واجب الرد ہے۔[20] لہذا اگر کسی فاسد عقد پر استصناع کر لیا گیا۔ مثلاً کسی ایسی چیز کا استصناع ہو گیا جس میں تعامل نہیں تھا تو دونوں کو یہ حق فراہم ہو گا کہ یکطرفہ طور پر اس بیع کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لے۔

قبضہ کرنے کے بعد چونکہ مبیع خریدار کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔[21] لہذا اگر فاسد طور پر کیے گئے عقد استصناع میں مصنوعہ چیز پر خریدار قبضہ کر لے تو وہ اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی اور اگر کسی وجہ سے وہ چیز اس طور پر ضائع ہو گئی کہ وہ خریدار کے قبضے میں تھی تو وہ نقصان خریدار کا ہی شمار ہو گا اور اگر بائع نے ایسے عقد استصناع میں ثمن پر قبضہ کر کے اسے استعمال کر لیا جو عقد استصناع اول سے ہی فاسد تھا تو اسے مال حرام کھانے والا شمار نہیں کیا جائے گا۔[22]

اس ضمن میں یہ بحث نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ آیا صانع قبضہ کرنے سے پہلے آگے اس چیز کو فروخت کر سکتا ہے کہ نہیں۔ اس بحث کو سمجھنے کے لیے شریعت کے ان دو اصولوں کا جاننا ضروری ہے۔

ا۔ معدوم چیز کو بیچنا شرعاً جائز نہیں۔[23]

۲۔ جب تک کوئی چیز ملکیت میں داخل نہ ہو اس وقت تک اس کو شرعاً آگے فروخت کرنے کی اجازت نہیں۔[24]

لہذا استصناع کے باب میں اگر ہم دیکھیں کہ جس چیز کو بنانے کا آرڈ دیا گیا تھا اس پر مستصنع نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا لہذا اس کے لیے آگے بیچنا جائز نہیں اور چونکہ استصناع میں جب تک چیز مستصنع کے سامنے پیش نہ ہو وہ صانع کی ہی ملکیت میں شمار ہوتی ہے لہذا صانع کو اس بات کا اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی چیز کو مستصنع کے علاوہ اگر کسی اور شخص کو بیچنا چاہے تو اسے بھی فروخت کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ماقبل میں یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ عقد استصناع اجل کا طے کرنا درست نہیں۔ لیکن اگر صانع کو جلدی ہے تو مدت کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر صانع اس مدت پر چیز حوالے نہ کرے تو اس صورت میں کیا حکم ہو گا؟ اس جیسی صورت حال میں بعض اوقات مالی جرمانے کی تجویز پیش کی جاتی ہے۔ لیکن جمہور فقہاء اس جرمانے کی اجازت نہیں دیتے۔ البتہ مفتی تقی عثمانی نے اس کا ایک حل پیش کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"تاہم خریدار سامان کی فراہمی کے لیے زیادہ سے زیادہ مدت مقرر کر سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہو گا اگر تیار کرنے والے نے فراہمی کے لیے متعین وقت سے تاخیر کر دی تو خریدار اس چیز کو قبول کر لے اور اتنی ہی قیمت ادا کرنے کا پابند نہیں ہو گا۔ اسی طرح استصناع میں قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس بات پر اتفاق ہو جائے کہ فراہمی میں تاخیر کی صورت میں ہر دن متعین مقدار میں قیمت کم ہو جائے گی تو یہ بھی شرعاً جائز ہے۔"[25]

استصناع کی مروجہ صورتیں

سونا اور چاندی کے زیورات میں استصناع

سونا چاندی کا شمار چونکہ ثمن خلقی میں کیا جاتا ہے۔ اس لیے جب ہم سونا اور چاندی سے متعلق بحث کرتے ہیں تو ان کا معاملہ دیگر چیزوں سے مختلف ہوتا ہے۔ سونا اور چاندی کے زیورات پر یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ یہ بیع صرف ہے اور اس میں قبضہ کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن برصغیر کے

علماء کی اکثریت اس کو بیع صرف نہیں کہتی بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ یہ نوٹ بذات خود ثمن عرفی بن گئے ہیں اور ثمن عرفی سے سونا اور چاندی خریدنا بیع صرف کے حکم میں نہیں آتا۔ دوسرا یہ کہ سونا اور چاندی کے زیورات متعین کرنے سے متعین بھی ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زیورات کی بیع کرنسی نوٹ کے عوض کی جارہی ہو تو عام بیع کے حکم میں ہے اور اس کا استصناع بھی عام بیع کے استصناع کی طرح ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں مذکور ہے:

"اگر کوئی موچی سے کہے کہ میں لیے اتنے پیسے کے عوض چمڑا لگا کر موزے تیار کریں یا صانع سے یہ کہے کہ میری طرف سے چاندی لگا کر انگوٹھی تیار کریں اور اس کا صفت اور وزن بیان کردے۔"[26]

اس عبارت سے واضح ہوا کہ فقہاء احناف نے زیورات میں استصناع کو جائز قرار دیا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیورات میں استصناع کی شرائط مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں۔

تعمیرات میں استصناع

تعمیرات میں استصناع کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ خریدار کے کہنے پر مخصوص شرائط کے تحت مستقبل میں کوئی عمارت تعمیر کرنے کی ذمہ داری اٹھانا۔ مثلاً خریدار کسی بلڈر سے یہ مطالبہ کرے کہ مجھے فلاں علاقے میں ایک گھر بنوانا ہے اور وہ بلڈر اس کے لیے پلاٹ کا انتظام کرے، معینہ نقشے کے مطابق گھر کی تعمیر کرے اور تعمیرات بنانے والے تمام اخراجات بھی اٹھائے اور تیار ہونے پر وہ گھر خریدار کے حوالے کر دیا جائے۔ اس معاملے میں صانع کوئی فرد بھی ہو سکتا ہے اور کوئی ادارہ بھی ہو سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پلاٹ خریدار کا اپنا ہو اور وہ مستصنع یعنی بلڈر یہ مطالبہ کرے کہ اس نقشے کے مطابق گھر تعمیر کرنا ہے اور بلڈر ایک مخصوص قیمت کے عوض اس گھر کی تعمیر کی ذمہ داری قبول کرلے اور سامان سمیت تمام امور بلڈر کے ذمہ لگادے اور بلڈر پلاٹ کے مالک سے ایک متعین قیمت وصول کرنے کے عوض یہ گھر بنا کر دینے کا معاہدہ کرلے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔

اسی طرح عمومی طور پر شہروں میں فلیٹ کی بکنگ ہوتی ہے، لوگ قسطیں دینا شروع کرتے ہیں، اپنے آرڈر بک کرواتے ہیں اور فلیٹ تعمیر ہونے کے بعد وہ فلیٹ بکنگ کروانے والوں کے حوالے کر دیے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی دراصل استصناع کا ہی ایک معاملہ ہوتا ہے۔ لہذا تعمیر کرنے والے پارٹی صانع اور عوام مستصنعین کی حیثیت میں ہوتے ہیں۔

حکومتی سطح پر تعمیر کیے گئے بڑے بڑے منصوبے بھی استصناع کے تحت ہی طے پاتے ہیں۔ سڑکیں، ہسپتال، تعلیمی ادارے اور پارکس اگر حکومت بنوانا چاہتی ہے تو اس کا ٹھیکہ کسی ایک فرد کو فراہم کر کے اس سے شرائط طے کرلی جاتی ہیں کہ اس اس طریقے سے اس کی تعمیر کی جائے گی اور وہ کمپنی اور ٹھیکے دار سامان بھی خود ہی فراہم کرتا ہے، اس منصوبے کے لیے قرض بھی خود ہی لیتا ہے اور حکومت کو وہ منصوبہ پایۂ تکمیل پر پہنچا کر دیتا ہے اور وہ حکومت مقرر کردہ شرائط کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے اس ٹھیکہ دار پیسے ادا کرتی رہتی ہے۔ یہ صورت میں استصناع میں داخل ہے۔

گاڑیوں میں استصناع

ما قبل میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ استصناع کے لیے تعامل کا ہونا ضروری ہے اور گاڑیوں میں استصناع بہت عام ہو چکا ہے۔ بڑی بڑی کمپنیاں آرڈ بک کرواتی ہیں اور بکنگ کے بعد گاڑیوں کے بنانے کا عمل شروع کیا جاتا ہے۔ ریل گاریاں، بحری جہاز، ہوائی جہاز وغیرہ اسلامی مالیتی اداروں کو جب بھی مرابحہ اور اجارہ کے تحت قسطوں پر گاڑی دینے کی ضرورت پڑے تو وہ اپنے طور پر گاڑی بنانے والی کمپنی سے استصناع کے تحت ہی گاڑی خریدتے ہیں۔ لہذا عام تعامل کی وجہ سے یہ استصناع بھی جائز ہے۔

ملبوسات میں استصناع

چونکہ متقدمین فقہاء کرام کی عبارت اس بارے میں صراحت سے ملتی ہے کہ کپڑوں میں استصناع جائز نہیں۔ جیسے علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں صراحتاً لکھا ہے کہ

"اور کپڑوں میں استصناع جائز نہیں کیونکہ قیاس اس کے خلاف ہے اور استصناع کا جواز تو استحساناً لوگوں کے تعامل کی وجہ سے ہے اور کپڑوں میں ایسا کوئی تعامل نہیں ہے۔[27]

لیکن اس قول کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں کپڑوں کے استصناع میں لوگوں کا تعامل نہیں تھا لیکن اس دور میں کپڑوں کے استصناع میں لوگوں کا تعامل بہت زیادہ ہے اور کپڑوں میں استصناع کو اپنائے بغیر میں انڈسٹری کا چلنا تقریباً ناممکن ہے۔ ٹیکسٹائل سیکٹر میں موجودہ دور میں استصناع اسی تعامل کی تعریف کے ذیل میں آچکا ہے جس تعامل کی فقہائے کرام نے اجازت دی ہے۔ لہذا استصناع کپڑوں میں بھی جائز ہے۔

مالیاتی اداروں میں استصناع

موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں مالیاتی اداروں کا وجود معیشت کو صحیح خطوط پر چلانے کے لیے از حد ضروری ہے۔ کوئی بھی ملک قومی اور بین الاقوامی سطح دونوں پر ان اداروں کی معاونت کے بغیر اپنی معیشت کو درست طریقے سے نہیں چلا سکتا۔ اسلامی بینکاری سسٹم میں جہاں مالی معاملات کی دیگر اقسام کو مختلف تمویلی سہولیات کا ذریعہ بنایا گیا ہے وہیں استصناع کو بھی اسلامی بینکاری میں ایک اہم ذریعے کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔ بہت سی ایسی صورتوں میں جہاں کوئی دوسری صورت ممکن نہیں ہوتی وہاں اسلامی بینک استصناع کے ذریعے ہی اپنی کسٹمرز کو پروڈکٹ کی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔ استصناع چونکہ خلاف قیاس بہت سے قواعد سے مستثنیٰ ہے لہذا عقد کرتے ہوئے قبضہ میں ہونا یا ملکیت میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مالیاتی اداروں کو ادائیگی میں بہت سی سہولیات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ثمن کی ادائیگی میں بھی کوئی خاص شرط نہیں ہوتی کہ ادائیگی شروع میں ہو، درمیان میں ہو یا بعد میں ہو۔ اسی طرح یہ شرط بھی نہیں ہے کہ یک مشت ہو یا قسطوں میں ہو۔ لہذا اس طرح کی شرائط کی عدم موجودگی کی وجہ سے مالیاتی اداروں کو بہت سے معاملات میں سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض صورتوں میں مرابحہ، اجارہ اور سلم اپنی شرائط کی وجہ سے قابل عمل نہیں رہتا وہاں پر بھی یہ بینک

استصناع کا ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ صورت کسی بھی لحاظ سے جائز نہیں کہ جس چیز کی تیاری کے لیے استصناع کا معاملہ کیا جارہا ہے وہ پہلے سے موجود یا متعین چیز ہو۔ جیسے کوئی آدمی استصناع کرتے ہوئے کسی کو کہے کہ میں نے یہ کارخانہ یا گاڑی استصناع کے تحت آپ کو فروخت کردی۔ عقد استصناع صرف انہی چیزوں میں درست ہے جن کو مخصوص صفات کے ذریعے واضح کیا جائے نہ کہ تعیین کے ذریعے۔

خلاصہ بحث

اس تمام تر بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک استصناع جائز ہے اور اگر جدید معاشی حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو مالیاتی اداروں کے لیے بعض اوقات استصناع پر عمل کے بغیر کام کرنا عملی طور پر ممکن بھی نہیں رہتا۔ جیسے جدید بینکاری نظام میں اسلامی بینک اور اسلامی مالیاتی ادارے سلم اور مرابحہ کی شرائط کی وجہ سے معاہدے کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا پاتے وہاں ان مالیاتی اداروں لامحالہ طور پر استصناع کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ جیسے آج کل ڈیجیٹل اور آن لائن مارکیٹنگ کے زمانے میں قبضے کی شرط کا پورا کرنا بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے اور اسلامی بینک اور مالیاتی اداروں سمیت انفرادی طور پر آن لائن کاروبار کرنے والے حضرات بھی اس بات پر قادر نہیں ہوتے کہ مبیع پر قبضہ کریں اور اسے آگے فروخت کریں۔ لہذا اگر استصناع کے تحت دی گئی رعایت کے ذیل میں اس سودے کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا جائے تو انسان شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے بہت سے کاروباری معاملات کو انجام دے سکتا ہے اور اپنی معاش کو مزید بہتر بنا سکتا ہے۔

حوالہ جات

---

1 ابن عابدین شامی، علامہ محمد امین ن عمر، الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ، ج:۵، ص:۲۲۳

2 ابن نجیم، شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن محمد، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:۱۶، ص:۴۴۲

3 السمرقندی، محمد بن احمد بن ابی احمد، تحفۃ الفقہاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:۲، ص:۳۶۲

4 ابن عابدین شامی، محمد امین بن عمر، الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲م، ج:۵، ص:۲۲۵

5 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الھبۃ وفضلہا والتحریض علیہا، باب من استوہب من اصحابہ شیئا، حدیث:۲۵۶۹

6 الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، کتا بالاستئذان والآداب عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی ختم الکتاب، حدیث:۲۷۱۸

7 السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، دار المعرفۃ بیروت، ۲۰۰۰م، ج:۱۲، ص:۲۴۲

8 السرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، ۲۰۰۰م، ج:۱۲، ص:۲۴۲

9 ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، دار الفکر، بیروت، ج:۷، ص:۱۱۵

10 ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، السنن، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، حدیث:۳۹۵۰

11 کاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۶م، ج:۵، ص:۳

12 المحبوبی، صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود، شرح الوقایۃ، مکتبۃ البشریٰ، کراچی، ج:۵۔ ص:۱۳۹

13 الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، الکویت، ۱۴۲۷ھ، ج:۳، ص:۳۲۸

14 ابن عابدین شامی، الدر المختار وحاشیۃ ان عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲م، ج:۵، ص:۲۲۳

15 لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی اخلافۃ العثمانیۃ، مجلۃ الاحکام العدلیۃ، نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب، آرام باغ، کراچی، ص:۷۶

16 لموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، الکویت، ۱۴۲۷ھ، ج:۳، ص:۳۲۷

17 الحطاب، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن، مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ، ج:۴، ص:۵۳۹

18 الدمیری، کمال الدین محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ، النجم الوہاج فی شرح المنہاج، دار المنہاج، جدہ، ۲۰۰۴م، ج:۴، ص:۲۵۷

19 ابن عابدین شامی، الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲م، ج:۵، ص:۲۲۴

20 ابن عابدین شامی، الدر المختار وحاشیۃ ان عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲م، ج:۵، ص:۱۰۵

21 ابن عابدین شامی، الدر المختار وحاشیۃ ان عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲م، ج:۵، ص:۶۰

22 ابن عابدین شامی، الدر المختار وحاشیۃ ان عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲م، ج:۵، ص:۱۵۰

23 ابن عابدین شامی، الدر المختار وحاشیۃ ان عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲م، ج:۶، ص:۵

24 ابن عابدین شامی، الدر المختار وحاشیۃ ان عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲م، ج:۵، ص:۶۰

25 تقی عثمانی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، معارف القرآن، کراچی، ج:۵، ص:۱۵۶

26 نظام الدین، فتاوی ہندیہ، دار الفکر، بیروت، ۱۳۱۰ھ، ج:۴، ص:۵۱۷

27 ابن عابدین شامی، الدر المختار وحاشیۃ ان عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲م، ج:۵، ص:۲۲۴

References

1. Ibn Abidin Shami, Allamah Muhammad Amin N. Omar, Al-Durr Al-Mukhtar and Hashiyat Ibn Abidin, Dar Al-Fikr, Beirut, 1412, vol. 5, p. 223.
2. Ibn Najim, Sheikh Zain Al-Abidin bin Ibrahim bin Muhammad, Al-Bahr Al-Ra'iq Sharh Kanz Al-Daqaqa'i, Dar Al-Kutub Al-Ilmiyya, Beirut, vol. 16, p. 442.
3. Al-Samarqandi, Muhammad ibn Ahmad ibn Abi Ahmad, Tuhfat al-Fuqaha', Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, Beirut, vol. 2, p. 362.
4. Ibn Abidin Shami, Muhammad Amin bin Omar, Al-Durr Al-Mukhtar and Hashiyat Ibn Abidin, Dar Al-Fikr, Beirut, 1992 AD, vol. 5, p. 225
5. Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail, Al-Jami' Al-Sahih, The Book of Love, Its Virtue, and Incitement to It, Chapter on Whoever Asks Something from His Companions, Hadith: 2569
6. Al-Tirmidhi, Muhammad bin Isa, Al-Jami', The Book of Permission and Etiquette on the authority of the Messenger of God, may God bless him and grant him peace, Chapter on what was stated at the conclusion of the Book, Hadith: 2718
7. Al-Sarkhasi, Muhammad bin Ahmad Dibn Abi Sahil, Al-Mabsut, Dar Al-Ma'rifa, Beirut, 2000 AD, vol. 12, p. 242.
8. Al-Sarkhasi, Muhammad bin Ahmad, Al-Mabsut, Dar Al-Ma'rifa, Beirut, 2000 AD, vol. 12, p. 242
9. Ibn Hammam, Kamal al-Din Muhammad bin Abdul Wahid, Fath al-Qadir, Dar al-Fikr, Beirut, vol. 7, p. 115.
10. Ibn Majah, Muhammad bin Yazid Al-Qazwini, Al-Sunan, Book of Trials, Chapter on Al-Sawad Al-A'zam, Hadith: 3950
11. Kassani, Aladdin Abu Bakr bin Masoud, Bada'i' al-Sana'i' fi Tartīb al-Sharā'iyya, Dar al-Kuttab al-

Ilmiyyah, Beirut, 1986 AD, vol. 5, p. 3.
12. Al-Mahboubi, Sadr Al-Shariah, Ubaidullah bin Masoud, Explanation of Prevention, The Conquest of Mankind, Karachi, vol. 5, p. 139.
13. The Kuwaiti Encyclopedia of Jurisprudence, Ministry of Endowments and Islamic Affairs, Kuwait, 1427, vol. 3, p. 328.
14. Ibn Abidin Shami, Al-Durr Al-Mukhtar wa Hashiyat An Abidin, Dar Al-Fikr, Beirut, 1992 AD, vol. 5, p. 223.
15. A committee composed of a number of scholars and jurists in the Ottoman Caliphate, Majallat Al-Ahkam Al-Adliya, Nour Muhammad Karkhana, Trade Books, Aram Bagh, Karachi, p. 76
16. For the Kuwaiti Encyclopedia of Jurisprudence, Ministry of Endowments and Islamic Affairs, Kuwait, 1427, vol. 3, p. 327.
17. Al-Hattab, Shams al-Din Abu Abdullah Muhammad bin Muhammad bin Abdul Rahman, Mawaib al-Jalil fi Sharh Mukhtasar Khalil, Dar al-Fikr, Beirut, 1412, vol. 4, p. 539.
18. Al-Dumairi, Kamal Al-Din Muhammad bin Musa bin Issa, Al-Najm Al-Wahaj fi Sharh Al-Minaj, Dar Al-Minaj, Jeddah, 2004 AD, vol. 4, p. 257.
19. Ibn Abidin Shami, Al-Durr Al-Mukhtar and his footnote Ibn Abidin, Dar Al-Fikr, Beirut, 1992 AD, vol. 5, p. 224.
20. Ibn Abidin Shami, Al-Durr Al-Mukhtar and his footnote An Abdeen, Dar Al-Fikr, Beirut, 1992 AD, vol. 5, p. 105.
21. Ibn Abidin Shami, Al-Durr Al-Mukhtar wa Hashiyat An Abidin, Dar Al-Fikr, Beirut, 1992 AD, vol. 5, p. 60.
22. Ibn Abidin Shami, Al-Durr Al-Mukhtar wa Hashiyat An Abidin, Dar Al-Fikr, Beirut, 1992 AD, vol. 5, p. 150.
23. Ibn Abidin Shami, Al-Durr Al-Mukhtar wa Hashiyat An Abidin, Dar Al-Fikr, Beirut, 1992 AD, vol. 6, p. 5.
24. Ibn Abidin Shami, Al-Durr Al-Mukhtar wa Hashiyat An Abidin, Dar Al-Fikr, Beirut, 1992 AD, vol. 5, p. 60
25. Taqi Usmani, Islam Ur Jadid Ma'ashi Masa'il, Ma'arif al-Qur'an, Karachi, vol. 5, p. 156.
26. Nizam al-Din, Hindi Fatwas, Dar al-Fikr, Beirut, 1310, vol. 4, p. 517.
27. Ibn Abidin Shami, Al-Durr Al-Mukhtar wa Hashiya An Abidin, Dar Al-Fikr, Beirut, 1992 AD, vol. 5, p. 224.